توضیح و تنقید

کیا حضرت آدمؑ نے نشہ آور درخت کا پھل کھایا تھا؟

مدیر تکبیر سے شیخ محمد معین قریشی کے چند سوالات

شیخ محمد معین قریشی صاحب نے جو آجکل حکومت بلوچستان کے محکمۂ محنت میں سوشل سیکورٹی ایڈوائزر کے طور پر کام کر رہے ہیں، قریباً دس ماہ قبل مدیرِ تکبیر جناب محمد صلاح الدین صاحب کے نام ایک مفصل خط تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے مدیرِ تکبیر سے اُن کے اُس خطاب کے حوالے سے بعض علمی نکات کی وضاحت چاہی تھی جو موصوف نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان نیشنل ورکرز فیڈریشن کی ایک تقریب میں ارشاد فرمایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ محترم صلاح الدین صاحب اپنی تقریر میں بعض باتیں ایسی کہہ گئے تھے جو نہ صرف یہ کہ علم و تحقیق کے پیمانے پر پوری نہیں اترتی تھیں بلکہ سامعین کے دلوں میں دین کے حوالے سے مغالطوں کو جنم دینے کا باعث بھی تھیں۔ محترم معین قریشی صاحب نے، جو اس تقریر کے سامعین میں سے تھے، مدیرِ تکبیر کا علمی محاکمہ کرتے ہوئے بذریعہ خط اس سلسلے میں وضاحت طلب کی۔ بار بار کی یاددہانی کے باوجود مدیرِ تکبیر کی جانب سے وضاحتی جواب نہ آنے پر محترم قریشی صاحب نے اہلِ علم حضرات کے سامنے اس معاملے کو پیش کرنے کی غرض سے اپنے خطوط اس خواہش کے ساتھ ہمیں ارسال کر دیئے کہ انہیں 'حکمت قرآن' میں شائع کر دیا جائے۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب   السلام علیکم! امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

میں سندھ سوشل سیکورٹی میں ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ، تربیت و تحقیق کی حیثیت سے ملازم ہوں اور آج کل حکومت بلوچستان کے محکمۂ محنت میں بحیثیت سوشل سیکورٹی ایڈوائزر خدمات انجام دے رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی جامعۂ کراچی کے شعبۂ صحافت سے بھی بحیثیت لیکچرار وابستہ ہوں۔ لکھنے پڑھنے کی مصروفیت بھی رہتی ہے۔ "جنگ" (کراچی) کے مڈویک میگزین میں میرا ہفتہ وار کالم "برجانِ درویش" اور "ڈیلی نیوز" (کراچی) میں ایک کالم "CROCODILE TEARS" کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ نیز "ڈان" میں "FRIDAY FEATURE" کے تحت دینی اور اخلاقی موضوعات پر لکھتا ہوں۔

اس مختصر تعارف کے بعد عرض ہے کہ عصرِ حاضر کے دینی تقاضوں کی روشنی میں آپ کی ایمان افروز اور فکر انگیز تحریروں کا میں دل سے معترف اور معتقد ہوں۔ آج آپ کو اسی سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔ تین خطوط کی نقلیں ارسال خدمت ہیں جو میں نے مدیرِ تکبیر،

(کراچی) کو گذشتہ ۸ ماہ کے عرصے میں لکھے ہیں اور جن میں سے ایک کا بھی ان کی جانب سے جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ (نہ ایسی کوئی امید ہے) ان خطوط کا مطالعہ زیرِ بحث مسئلہ کی مکمل وضاحت کر دے گا۔ جس تقریب میں محترم صلاح الدین صاحب نے یہ تقریر دلپذیر کی تھی اس میں حاضرین بڑی تعداد میں شریک تھے۔ ان سب کی رہنمائی کے لئے میری آپ سے استدعا ہے کہ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر اخبار یا اپنے رسالے میں اس موضوع پر روشنی ڈالیں۔ بیّنواتوجروا۔

نیاز کیش شیخ محمد معین قریشی

محترم جناب محمد صلاح الدین صاحب...... مدیر ہفت روزہ "تکبیر" کراچی

مکرمی! السلام علیکم...... گذشتہ جمعہ (۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء) کو پاکستان نیشنل ورکرز فیڈریشن کی تقریب میں آپ کی تقریر دلپذیر سنی۔ آپ کی متاثر کن تحریریں میں نے "جسارت" میں پڑھی ہیں اور "تکبیر" میں بھی کبھی کبھار پڑھتا ہوں لیکن تقریر سننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریر اتنی برجستہ 'مربوط اور مبسوط تھی کہ ہر شخص دم بخود بیٹھا تھا۔ تقریر کے خاتمے پر میری بائیں جانب بیٹھے ہوئے ایک محترم نے میری طرف دیکھ کر کہا "بے حد فکر انگیز تقریر تھی" اس پر میں نے ان سے کہا تھا...... "نہیں 'بلکہ سحر انگیز!" اس مجموعی تأثر کے بعد بصد احترام گذارش ہے کہ ؏ خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے!

شاید جوشِ خطابت یا پھر موقع کی مناسبت سے مغلوب ہو کر آپ نے کئی ایک باتیں ایسی ارشاد فرمائیں جو بظاہر عام عقائد اور مسلّمہ حقائق سے میل نہیں کھاتیں۔ سوچا آپ سے تحریری رہنمائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ یہ چند سطور خلوصِ دل کے ساتھ سپردِ قلم کر رہا ہوں۔

آپ کی تقریر کا پہلا حصہ منشّیات کی مذمّت کے بارے میں تھا۔ اپنے مختصر خطاب میں اس موضوع پر آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا (اصل الفاظ کو دوہرانا مشکل ہے لیکن جو کچھ ذیل میں درج ہے اس کی تصدیق میں نے اپنے تین ساتھیوں سے کروالی ہے جو میرے ساتھ شریکِ محفل تھے):

"حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد خدا تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ایک خاص درخت کے قریب مت جانا یہ درخت نشہ آور تھا۔ گویا انسان کو اپنے پروردگار

کی طرف سے جو سب سے پہلی ہدایت ملی وہ نشے سے پرہیز کے بارے میں تھی (تاہم) حضرت آدمؑ نے اس درخت کا پھل چکھا...... اور فوراً برہنہ ہو گئے کیونکہ نشے کا فوری اور لازمی نتیجہ فحاشی ہوتا ہے۔ حضرت آدمؑ نے پتوں سے جسم ڈھانپ لیا۔ اللہ نے انہیں دنیا میں بھیج دیا اور بھیجتے وقت بھی تلقین کی کہ دیکھو دنیا میں بھی اس چیز سے اجتناب برتنا"۔

آپ کا یہ بیان سن کر میرے ایک ساتھی نے (جو بفضلِ خدا دین کا علم بھی رکھتے ہیں) برملا یہ کہا تھا "کیا خوب! آدمؑ کو "نشئی" ثابت کر دیا۔ آپ نے جو سامعین کو دعوت دی تھی کہ سورۂ بقرہ کا مطالعہ کریں اس میں واقعہ کا ذکر مل جائے گا۔ چنانچہ خاکسار نے آپ کے مشورے کے مطابق ایسا ہی کیا۔ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۳۵ اور ۳۶ اس وقت پیش نظر ہیں......

ترجمہ..... "اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو۔ لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقتِ مقرّرہ تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے"۔

(یہ ترجمہ تفسیر ابن کثیر کے اردو ترجمے پر مبنی ہے)

یوں تو ترجمہ بھی بالکل واضح ہے لیکن مزید تشریح کے لئے میں نے تفسیر ابن کثیر سے رجوع کیا۔ جن باتوں پر وضاحت مطلوب تھی وہ یہ تھیں۔

۱۔ کیا آدمؑ کو درخت سے دور رہنے کی تلقین اس لئے کی گئی تھی کہ وہ نشے کی خاصیت رکھتا تھا؟۔

۲۔ کیا درخت کا پھل کھا کر آدمؑ کو نشہ چڑھ گیا تھا جس کے غلبے سے وہ (معاذ اللہ) فحاشی پر اتر آئے تھے اور فوراً کپڑے اتار دیئے تھے۔

۳۔ کیا جنت سے دنیا میں بھیجتے وقت خداوند قدوس نے آدمؑ کو اس قسم کی کوئی تلقین کی تھی کہ دیکھو آئندہ نشہ مت کرنا؟۔

علامہ ابن کثیر مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ایک خاص درخت سے روکنا یہ امتحان تھا (نشے وغیرہ کا کوئی چکر نہ تھا..... راقم) بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی، کوئی کہتا ہے

کہ گیہوں کا درخت تھا، کسی نے سنبلہ کہا ہے، کسی نے کھجور بتلائی ہے، کسی نے انجیر کہا ہے۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی اس لئے جنت کے لائق نہیں"۔ آگے چل کر ابن کثیر نے ابن جریرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ "ایک درخت تھا جس سے خدا نے روک دیا۔ نہ قرآن سے تعین ثابت ہوتی ہے نہ حدیث سے"۔

دوسرے سوال یعنی برہنگی کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: "نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس، وہ پاک مکان، وہ نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئی"۔ (ایسا نہ تھا کہ معاذ اللہ نشے کی ترنگ میں آکر کپڑے اتار دیئے تھے جیسا کہ آپ نے تأثر دیا تھا)۔

جنت سے دنیا میں بھیجتے وقت خدا تعالیٰ سے جو الفاظ آپ نے منسوب کئے ہیں ان کا ذکر نہ آیات میں ہے اور نہ تفسیر میں مجھے ملا۔

ان ہی آیات کی تفسیر کے تحت مولانا اشرف علی تھانوی بیان القرآن کے صفحہ نمبر ۲۳ پر رقم طراز ہیں: "خدا جانے وہ درخت کیا تھا مگر اس کے کھانے سے منع فرمایا اور ہر آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے گھر کی چیزوں میں سے غلام کو جس چیز کے استعمال کی چاہے اجازت دے دے اور جس چیز کو چاہے منع کر دے"۔ آگے چل کر مولانا لکھتے ہیں کہ شیطان نے بہکایا کہ "اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے حیاتِ ابدی یا ملکیت حاصل ہو جاتی ہے"۔ (یعنی شیطان بھی درخت کی نشہ آور کیفیت سے لاعلم تھا)۔

دورِ جدید میں مولانا مودودی کی تفہیم کا حوالہ شاید آپ کو زیادہ متأثر کرے۔ مولانا مذکورہ آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ نمبر ۶۶) "آزمائش کے لئے ایک درخت کو چن لیا گیا کہ اس کے قریب نہ پھٹکنا اور اس کا انجام بھی بتا دیا گیا کہ ایسا کرو گے تو ہماری نگاہ میں ظالم قرار پاؤ گے (نہ کہ نشے کے عادی ہو جاؤ گے۔ راقم) یہ بحث غیر ضروری ہے کہ وہ درخت کونسا تھا اور اس میں کیا خاص بات تھی کہ اس سے منع کیا گیا۔ منع کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس درخت کی خاصیت میں کوئی خرابی تھی (جو کہ آپ نے اس میں تلاش کر لی ہے۔ راقم) اور اس سے آدم و حوا کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اصل غرض اس بات کی آزمائش تھی کہ یہ شیطان کی ترغیبات کے مقابلے میں کس حد تک حکم کی پیروی پر قائم رہتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے کسی ایک چیز کا منتخب کر لینا کافی تھا۔ اس لئے اللہ نے درخت کے نام اور اس کی خاصیت کا کوئی ذکر نہیں فرمایا"

تقریب کے خاتمے پر کھانے کے دوران بھی مہمانوں کے درمیان ان باتوں کا ذکر رہا۔ لوگ آپ کے "انکشافات" پر مشکوک تھے لیکن بے چارے آپ کی علمیت سے اتنے مرعوب تھے کہ یہ سنا گیا "صلاح الدین صاحب نے جو کچھ کہا ہے ضرور اس کی سند ہوگی" میں خود بھی آپ سے یہی توقع رکھتا ہوں لہٰذا ازراہ نوازش ہم جیسے کم علم لوگوں کی رہنمائی کے لئے حسب ذیل امور کی سند فراہم کر دیجئے۔

۱۔ درخت میں نشے کی خاصیت تھی۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے انساں کو سب سے پہلی ہدایت نشے سے پرہیز کے بارے میں دی گئی تھی۔

۳۔ آدمؑ کی برہنگی فحاشی کا نتیجہ تھی جو درخت کا پھل چکھنے سے ان پر طاری ہو گئی تھی۔

۴۔ خداوند قدوس نے آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت منشیات سے پرہیز کی تلقین کی تھی۔

آپ کے خطاب کے دوسرے حصے کا موضوع تھا "اسلام اور محنت کی عظمت" اس میں کوئی کلام نہیں کہ اسلام محنت کی عظمت کا نقیب ہے۔ کارلائل نے آنحضورؐ کو دنیا کا سب سے بڑا محنت کش قرار دیا ہے لیکن بدقسمتی سے آپ اپنے خطاب میں متوازن رویّہ برقرار نہ رکھ سکے۔ آپ کے مندرجہ ذیل تین ارشادات وضاحت طلب ہیں۔

۱۔ حضورؐ نے سب سے پہلے محنت کشوں کو دعوتِ اسلام دی (یا سب سے پہلے اسلام لانے والے محنت کش ہی تھے)۔

۲۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے اپنی صاحب زادی (بی بی فاطمہؓ) کا نکاح اس لئے کیا کہ ایک محنت کش کو 'SOCIAL STATUS' ملے (یا حضرت علیؓ کو بی بی فاطمہؓ کا شوہر بن کر سوشل سٹیٹس ملا)۔

۳۔ اصحابِ صفّہ محنت کش تھے۔

جہاں تک حضرت علیؓ سے بی بی فاطمہؓ کے نکاح کا تعلق ہے، حضورؐ کو کسی نہ کسی سے تو اپنی صاحب زادی کا نکاح کرنا ہی تھا اور جس سے بھی وہ کرتے وہ محنت کش ہی ہوتا (اس لئے کہ جو شخص بھی جائز ذرائع سے روزی کمائے وہ محنت کش ہے)۔ اگر سماجی اعتبار سے حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے شادی کی کوئی اہمیت ہوتی تو اس بات کا کیا جواب ہے کہ حضورؐ نے اپنی دو صاحب زادیاں (آج کی اصطلاح کے مطابق) ایک سرمایہ دار (حضرت

عثمانؓ) کے نکاح میں دیں سیدھی سادی بات یہ ہے کہ اس شادی میں محنت کوشی کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ خود حضورؐ کے نزدیک جو معیار پیشِ نظر تھا اس کا اظہار آپؐ نے حضرت فاطمہؓ سے یوں کیا تھا "میں نے اپنے خاندان کے سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے"۔ یہ حدیث علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی کی جلد اول کے صفحہ نمبر ۳۶۸ پر نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرما لیں۔

رہی دعوتِ اسلام (یا قبولِ اسلام) کی بات تو سب جانتے ہیں کہ سب سے پہلے کسی محنت کش نے نہیں بلکہ ایک آجر (بی بی خدیجہؓ) نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے جن کی عمر اس وقت صرف گیارہ سال تھی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو اُس دور کے "سرمایہ دار" تھے۔ ایک روایت کے مطابق اسلام لانے کے دن ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ ابتدائی دور کے مسلمان (مولانا شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق) یہ حضرات تھے :۔

۱۔ اکثر وہ لوگ جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں تھے اور فطرتاً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق رکھتے تھے۔

۲۔ بعض ایسے صحابہ جو اسلام سے پہلے ہی بت پرستی ترک کر چکے تھے۔ ان میں زیدؓ بھی شامل تھے۔

۳۔ یہ حضرات قریش کے مناصبِ اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے...... انہیں اس بات کا ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصبِ عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

آپ نے صحابِ صفّہ کو محنت کش قرار دے کر ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ آپ نے خود کہا تھا کہ صفّہ پہلی اسلامی یونیورسٹی تھی تو یونیورسٹی میں طلبہ ہوتے ہیں نہ کہ محنت کش۔ اصحابِ صفّہ بنیادی طور پر طلبہ تھے۔ بقول علامہ شبلی "یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوّت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اسی چبوترے پر پڑے رہتے تھے...... ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہیں ہو سکیں"۔ علامہ شبلی مزید لکھتے ہیں......
"ان میں سے ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ باچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی"۔ اکثر کوئی ایک صاحبِ ثروت صحابی کئی ایک کو کھانے پر مدعو کر لیتا

گذشتہ چھ ماہ سے زائد کے عرصے میں آپ کو متعدد خط لکھے جن میں آپ سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے نظریات کے حق میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو مستند (یا وہ جیسے بھی ہوں) حوالوں سے مستفید فرمائیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک ایسے کام کے لئے جو آپ کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے آپ کو بار بار یاددہانی کرائی جا رہی ہے لیکن آپ نے حوالوں کی فراہمی تو در کنار میرے کسی خط کی وصولیابی کی رسید بھی دینی گوارا نہ فرمائی۔ تاہم اس ضمن میں ایک روز قرآن حکیم کی تلاوت کے دوران حسب ذیل آیات (نمبر ۱۱۹، ۱۲۰ طٰہٰ) میری نظر سے گزریں:

"پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے، کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔ پھر دونوں کھا گئے اس میں سے۔ پھر کھل گئیں ان پر ان کی بری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر پتے بہشت کے......"

(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

مندرجہ بالا آیات سے حسب ذیل امور قطعیّت کے ساتھ واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۔ جس درخت سے حضرت آدمؑ کو منع فرمایا گیا تھا اس میں نشے والی کوئی بات نہ تھی۔ خود شیطان نے انہیں حیاتِ ابدی اور مستقل حکمرانی کی ترغیب دے کر اس درخت کی طرف مائل کیا تھا۔

۲۔ حضرت آدمؑ نے نشے کی ترنگ میں آ کر کپڑے نہیں اتارے بلکہ خدا کے حکم سے (ایک لغزش کی پاداش میں) جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے تھے (بشمول لباس)۔

۳۔ حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا اپنے ستروں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے اس سے ان کی شرم و حیا کا اندازہ ہوتا ہے جبکہ آپ کے ارشاد کے مطابق ان پر (معاذ اللہ) بے حیائی کا الزام آتا ہے۔

میں ایک بار پھر (اور آخری مرتبہ) آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ حضرت آدمؑ، حضرت علیؓ، اصحابِ صفّہ اور محنت کشوں کے بارے میں آپ کے خطاب پر میں نے اپنے ۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء میں جو سوالات اٹھائے ہیں جلد از جلد ان کے جواب مرحمت فرمائیں ورنہ میں مجبوراً اخبارات کے ذریعے علمائے کرام سے رہنمائی حاصل کروں گا۔

مخلص

شیخ محمد معین قریشی

لغات و اعراب قرآن (۶)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرہ

(۱)

[ملاحظہ! کتاب میں حوالہ کے لئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وضاحت مقدمہ (حکمت قرآن فروری ۸۹ء) میں کر دی گئی تھی۔ جن حضرات کی نظر سے وہ شمارہ نہیں گزرا۔ ان کے لئے دوبارہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ [قطعہ بندی کے لئے سب سے پہلا دائیں طرف والا ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا دائیں طرف والا ہندسہ قطعہ نمبر (جو اس سورۃ میں سے زیر مطالعہ ہے) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نمبر بحث اللغۃ کے لئے ۱، بحث الاعراب کے لئے ۲، الرسم کے لئے ۳ اور الضبط کے لئے ۴ لکھا گیا ہے مثلاً ۱:۳:۲ کا مطلب ہے سورۃ الفاتحہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب]۔

۲ : ۱ الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

● سورۃ البقرہ بلحاظ زمانۂ نزول مدنی (بعد ہجرت) دور کی سورت ہے۔ اس سورت کی آیات کوفی طریقۂ شمار کے مطابق ۲۸۶ ہیں۔ (اور یہی گنتی مصر اور تمام ایشیائی ممالک میں رائج ہے) بصری گنتی کے مطابق سورت کی آیات ۲۸۷، مدنی (اول وثانی ہر دو) کے مطابق ۲۸۵ اور یہی (۲۸۵) مکی اور شامی گنتی ہے۔ مواضع اختلاف کی طرف اپنی اپنی جگہ پر اشارہ کر دیا جائے گا۔

۲:۱:۱ اللغۃ

[الٓمّٓ] حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ ان حروف کے ساتھ کوئی لغوی یا نحوی بحث وابستہ نہیں ہے۔ البتہ ان کے طرقِ تلاوت (تلفّظ) کے قواعد اور طریقِ رسم (املاء) کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ ان کے "معانی" کی بحث کسی اچھی تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو بیشتر قیاس آرائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض معقول اور بیشتر غیر معقول۔ بہرحال اس کا تلفظ " اَلِفْ لَامْ مِیْمْ " ہے۔

● خیال رہے عربی میں حروفِ تہجّی کے نام "مُعرب" ہوتے ہیں مثلاً " اَلِفٌ یا اَلفًا یا الفٍ " حسبِ موقع استعمال ہوسکتا ہے۔ مگر حروفِ مقطعات میں ہر حرف کا تلفظ اس کے نام (کے آخری حرف) پر وقف کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی " اَلِفٌ ، لَامٌ ، مِیمٌ " کہنے کی بجائے " اِلِفْ ، لَامْ ، مِیمْ " بولا اور پڑھا جاتا ہے۔ تاہم یہ حروف لکھے ملا کر جاتے ہیں۔ مزید وضاحت عنوان " الرسم " کے تحت آئے گی (۲ : ۱ : ۳ میں)

۲ : ۱ : ۱ (۱) [ذٰلِكَ] واحد مذکّر کے لئے اسم اشارہ بعید ہے (عربی میں لفظ "کتاب" مذکّر ہے) اور اس کے معنی ہیں " وہ " ۔ خیال رہے کہ اس اسم کا مادہ " ذ ل ك " نہیں ہے بلکہ اس کی اصل مذکر کے لئے " ذا " اور مؤنث کے لئے " ذی " یا " ذہ " یا " تی " ہے۔ اس لئے عربی معاجم (ڈکشنریوں) میں " باب الذال " کے شروع ہی میں اس پر بات کی جاتی ہے۔ اسماء اشارہ کی اصل گردان تو یوں ہے:

		رفع	نصب	جر
(للمذکّر)	واحد	ذا	ذا	ذا
	تثنیہ	ذانِ	ذَین	ذَین
	جمع	اولاءِ	اولاءِ	اولاءِ